© rasailojaraid.com

عدلیہ کی بحالی کے ساتھ اسلام کی بالادستی بھی ضروری ہے

مولانا زاہدالراشدی

پاکستان شریعت کونسل پنجاب کے امیر مولانا عبدالحق خان بشیر نے (جو میرے چھوٹے بھائی اور گجرات کے محلّہ حیات النبی میں جامع مسجد امام ابوحنیفہ کے خطیب ہیں) ۷ر فروری جمعرات کو مسجد امن باغبانپورہ لاہور میں شریعت کونسل کے صوبائی سیکرٹری جنرل مولانا قاری جمیل الرحمٰن کی رہائش گاہ پر مختلف دینی جماعتوں کے سرکردہ رہنماؤں کی ایک غیر رسمی مشاورت کا اہتمام کیا۔ ایجنڈا دو نکات پر مشتمل تھا۔ ایک یہ کہ عدلیہ کی بحالی اور دستور کی بالادستی کے لیے جو تحریک وکلاء کے فورم سے چل رہی ہے، اس میں دینی حلقوں کا کردار کیا ہونا چاہیے اور دوسرا یہ کہ مختلف مکاتبِ فکر کے ۳۰ سرکردہ علمائے کرام نے ملک کی موجودہ صورت حال کے حوالے سے جو متفقہ اعلامیہ جاری کیا ہے، اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کیا صورت اختیار کی جانی چاہیے؟...... وکلاء کی تحریک کے بارے میں کم و بیش اِنھی جذبات کا اظہار کیا گیا، جن کا اظہار ہم اس کالم میں ایک سے زائد مرتبہ کر چکے ہیں کہ:

☆ عدلیہ کی بحالی، دستور کی بالادستی اور پی سی او کے تحت معزول کیے جانے والے جج صاحبان کی ان کے دستوری مناصب پر واپسی کا موقف درست ہے اور اس کے لیے چلائی جانے والی تحریک پوری قوم کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے اور ملک کے تمام طبقات کو اس تحریک کی پُرزور حمایت کرنی چاہیے۔

☆ دینی جماعتوں کا رویہ اس سلسلے میں حوصلہ افزا نہیں اور وہ اس میں بہت تاخیر سے کام لے رہی ہیں۔ انھیں وکلاء کی اس اصولی تحریک کے ساتھ یک جہتی اختیار کرنے کے لیے عملی پیش رفت کرنی چاہیے۔

☆ تحریک میں ''سول سوسائٹی'' کے مبہم عنوان کے ساتھ جو این جی اوز آگے بڑھ رہی ہیں، ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ ان این جی اوز کا ایجنڈا پاکستان کو سیکولر ریاست بنانا ہے اور اس رخ پر این جی اوز کی اب تک سرگرمیاں مبہم نہیں ہیں۔

☆ چونکہ پاکستان اور اس کے دستورِ نو کی بنیاد اسلام اور جمہوریت پر ہے اور اسلام کے نام پر قائم ہونے والی اس ریاست کا یہی دینی تشخص عالمی استعمار کی نظروں میں کھٹکتا ہے۔ اس لیے جمہوری اقدار کی سربلندی اور آزادانہ جمہوری عمل کی بحالی کے ساتھ ساتھ اسلام کے ساتھ ملک و قوم کی کمٹمنٹ کا اظہار بھی ضروری ہے۔ لہٰذا وکلاء تحریک کی قیادت کو توجہ دینی چاہیے کہ وہ اس اہم پہلو کو نظر انداز نہ کرے اور محمد علی جناح کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آج کی قانون دان قیادت بھی اس مؤقف کا دوٹوک اظہار کرے کہ ان کی تحریک جمہوری عمل کی بحالی اور جمہوری اقدار کی سربلندی کے ساتھ ساتھ اسلام کی بالادستی کے لیے بھی ہے اور وہ دستور پاکستان کی ان دونوں بنیادوں پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔

☆ جس طرح بجا طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ سپریم کورٹ کے وہ فیصلے، جن میں نظریۂ ضرورت کو تحفظ دیا جا رہا ہے، وہ دباؤ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نتیجہ تھے اور عدالتِ عظمیٰ کو اس قسم کے دباؤ سے آزاد کرانے کے لیے عدلیہ کی بحالی کی تحریک چلائی جا رہی ہے۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ عدالتِ عظمیٰ کے وہ فیصلے جن کے تحت قراردادِ مقاصد کی بالاتر حیثیت سے انکار کیا گیا ہے۔ سودی قوانین کے خاتمے کے عدالتی فیصلے کو معطل کیا گیا ہے اور صوبہ سرحد میں حسبہ ایکٹ کا راستہ روک دیا گیا ہے۔ وہ بھی اسی قسم کے ماحول کی پیداوار ہیں۔ اس لیے جس طرح نظریۂ ضرورت کو ہمیشہ کے لیے دفن کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح اسلام کی بالادستی کی دستوری ضمانت سے گریز کے طرزِ عمل سے بچنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ ملک کی گاڑی اسی صورت میں اسلام اور جمہوریت کے دو متوازن پہیوں پر چل سکتی ہے۔

☆ اس سلسلے میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ وکلاء تحریک کی ہر سطح کی قیادت سے رابطے کیے جائیں گے تاکہ انھیں اس تحریک میں حمایت کی یقین دہانی کرانے کے ساتھ ساتھ اپنے تحفظات سے بھی آگاہ کیا جائے اور پاکستان شریعت کونسل پنجاب لاہور میں ایک سیمینار کا اہتمام کرے گی، جس میں مختلف دینی مکاتبِ فکر کے سرکردہ رہنماؤں کے ساتھ وکلاء تحریک کے سرکردہ زعماء کو بھی مدعو کیا جائے گا۔ اس کے بارے میں طے ہوا ہے کہ ۱۸ فروری کے انتخابات کی صورت حال حتمی طور پر واضح ہوتے ہی سیمینار کی تاریخ اور جگہ کا تعین کیا جائے گا اور رابطوں کا آغاز کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

علمائے کرام کے متفقہ اعلامیے کے بارے میں شرکاء اجلاس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ۳۰ سرکردہ علمائے کرام کا موقف بالکل درست ہے، لیکن بہت تاخیر سے ہے۔ اسے اس سے بہت پہلے منظر عام پر آ جانا چاہیے گا، تاہم پھر بھی غنیمت ہے کہ ان علماء کرام نے جو انتخابی سیاست میں فریق نہیں ہیں، خالصتاً علمی اور دینی حوالے سے اپنے اس موقف کا صراحت کے ساتھ اظہار کر کے پوری قوم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ نیز یہ کہ اگرچہ اس اعلامیہ میں کم و بیش ملکی صورت حال کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کر لیا گیا ہے، لیکن اس حوالے سے یہ تشنہ ہے کہ اس میں ملک کی صورت حال کو بگاڑنے کے لیے کام کرنے والے حلقوں، بالخصوص سیکولر این جی اوز اور قادیانیوں کے منفی کردار کا تذکرہ نہیں کیا گیا جو موجودہ حالات کے تناظر میں بہت ضروری ہے اور رائے عامہ کو اس سے آگاہ کرنا انتہائی ناگزیر ہے۔

اجلاس میں بتایا گیا کہ موجودہ سیاسی صورت حال کو نیا رنگ دینے اور مستقبل کے سیاسی نقشے میں رنگ بھرنے کے عمل میں اس وقت جو حلقہ پس پردہ سب سے زیادہ متحرک ہے، وہ قادیانی لابی ہے، جس کے بارے میں جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے ایک موقع پر یہ کہا تھا کہ قادیانی ہمارے ملک میں وہی مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں جو امریکہ میں یہودیوں کو حاصل ہے کہ ایک چھوٹی سی اقلیت ہونے کے باوجود ملکی پالیسیوں کے تعین اور انھیں چلانے میں یہودیوں کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ امریکہ میں حکومت خواہ ڈیموکریٹس کی ہو یا ری پبلکن کی اس کی پالیسیوں کا کنٹرول ہمیشہ یہودی لابی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ بھٹو مرحوم کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ غالباً اسی خدشے کو سامنے رکھتے ہوئے انھوں نے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے مطالبے کو منظور کیا اور پارلیمنٹ کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت کا درجہ دیا تھا مگر قادیانی گروہ پارلیمنٹ کے اس متفقہ فیصلے کو قبول کرنے سے مسلسل انکاری ہے اور اسے تبدیل کرانے کے لیے عالمی طاقتوں سے پاکستان پر دباؤ ڈلوا رہا ہے۔

اجلاس میں بتایا گیا کہ ایک ریٹائرڈ فوجی افسر جو اس وقت پاکستان کے سیاسی مستقبل کا تانا بانا بننے والوں کے ماسٹر مائنڈ سمجھے جا رہے ہیں، قادیانی ہیں اور اس حقیقت کا اظہار ہمارے محترم اور معاصر کالم نگار جناب جاوید چودھری نے بھی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالیہ کالم میں کیا ہے۔اس پر مجھے یاد آیا کہ یحییٰ خان کے دور میں جب مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کے نام سے ملک سے الگ کرنے کے لیے عالمی سازشیں عروج پر تھیں، اس وقت حکومت پاکستان کے نفس ناطقہ کی حیثیت ایک نام ور قادیانی ایم ایم احمد کو حاصل تھی اور مشرقی پاکستان کے ایک محبّ وطن لیڈر مولوی فرید احمد مرحوم نے کھلے بندوں یہ الزام لگایا تھا کہ ایم ایم احمد کی قیادت میں قادیانی ٹولہ پاکستان کو تقسیم کرنے کی سازش کر رہا ہے۔اس وقت جو کچھ ہوا، سب کے سامنے ہے اور ایم ایم احمد کا کردار بھی کسی سے مخفی نہیں، اس لیے آج جب کہ پاکستان کے مستقبل کے بارے میں (خاکم بدہن) طرح طرح کی باتیں کہی جارہی ہیں اور جنوبی ایشیا کے جغرافیائی نقشے میں تبدیلی کی منحوس پیش گوئی کا سلسلہ جاری ہے۔پاکستان کے سیاسی مستقبل کا تانا بانا بننے والوں میں ایک ریٹائرڈ قادیانی کی مبینہ سرگرمیاں کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں، ان کا بروقت نوٹس لینے کی ضرورت ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی سامنے آئی کہ پاکستان کے مختلف سیاسی رہنماؤں کو اس مقصد کے لیے تیار کیا جارہا ہے کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے کو ری اوپن کرانے اور اس کا از سر نو جائزہ لینے کی بات چلائیں تاکہ الیکشن کے بعد وجود میں آنے والی قومی اسمبلی میں اس کی تحریک کی جاسکے۔اس سلسلے میں اس امر کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب حدود آرڈیننس کا تیاپانچہ کیا گیا تو اس موقع پر امریکہ کی وزارت خارجہ کی طرف سے آن ریکارڈ یہ کہا گیا تھا کہ حکومتِ پاکستان پر حدود آرڈیننس کے ساتھ ساتھ توہین رسالت کی سزا اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے قانون کو منسوخ کرنے کے لیے بھی دباؤ ڈال رکھا ہے۔اس کے جواب میں حکمران مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل سید مشاہد حسین نے پیرس کی ایک اخباری کانفرنس میں فرمایا تھا کہ اس کے لیے اب آئندہ الیکشن کے بعد ہی پیش رفت ہوسکتی ہے۔اس پس منظر میں ایک ریٹائرڈ فوجی افسر کی پس پردہ سرگرمیوں کو اگر ان کے قادیانی ہونے کے حوالے سے شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جارہا ہے اور اس سے خطرہ محسوس کیا جارہا ہے؟ تو یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے اور اس کا نوٹس لیا جانا چاہیے۔

اس کے ساتھ ہی یہ افسوسناک اطلاع بھی اجلاس کے دوران سامنے آئی کہ ہمارے ایک محترم سیاسی رہنما عمران خان نے بھی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی مخالفت کردی ہے اور کینیڈا سے شائع ہونے والے ہفت روزہ ''پاکستان پوسٹ'' کی ۳۱رجنوری ۲۰۰۸ء کی اشاعت میں جناب عمران خان کے ایک تفصیلی انٹرویو کی مین سرخی یہ ہے کہ ''قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ غلط تھا......'' میں نے اس پر عرض کیا کہ میرا دل یہ نہیں مان رہا کہ عمران خان نے ایسا کہا ہوگا۔ بہرحال اس کی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش کروں گا اور انٹرویو کی تفصیلات سامنے آنے پر ہی اس کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔

بہرحال اجلاس میں ۳۰ علمائے کرام کے متفقہ اعلامیہ کے بارے میں اس پہلو سے تشنگی محسوس کیے جانے کے باوجود اسے وقت کی اہم ضرورت قرار دیا گیا اور دو باتیں طے کی گئیں......ایک یہ کہ اس اعلامیہ پر دستخطوں کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کی جائے اور زیادہ سے زیادہ علماء کرام کے اس پر دستخط حاصل کیے جائیں۔دوسرا یہ ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جدوجہد کی جائے۔یہ ہے رپورٹ چند دینی رہنماؤں کی ایک باہمی مشاورت کی نشست کی، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ ملکی صورت حال کے بارے میں ملک کے دینی کارکن کس رخ پر سوچ رہے ہیں۔اس نشست کے شرکاء میں مولانا عبدالرؤف فاروقی، جناب عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا میاں عبدالرحمٰن، مولانا محمد یوسف احرار، حافظ ذکاء الرحمٰن اختر اور مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

© rasailojaraid.com